محمد عارف بن مولانا محمد حیاتؒ پنڈی گھیپ

علامہ محمد مدنیؒ

موت کے دروازے پر

اپنے باغِ خُلد میں سجانے کیلئے تو نے
پھول وہ توڑا کہ گلشن بھر میں ویرانی ہوئی

بیسوی صدی کے آخری عشرہ میں جماعت اہل حدیث کے اتنے نامور علماء اللہ کو پیارے ہو گئے۔ جو بلا شبہ علم کے پہاڑ، عظمت کے مینار، تقویٰ وطہارت کے معیار اور انسانی مجد وکمال کی نادر مثال تھے۔ وہ علم وتحقیق کے میدان میں اپنا کردار ادا کر چکے تھے۔ انہوں نے عالم فنا سے عالم بقاء کو جانا ہی تھا۔ مگر افسوس اس بات کا ہے کہ جانے والے بڑی تیزی سے جا رہے ہیں بلکہ عالم شباب میں داغِ مفارقت دے رہے ہیں اور چمن اہل حدیث کچھ اس طرح خزاں رسیدہ ہے کہ جھڑنے والے پتوں کا شمار مشکل ہو رہا ہے۔

دور کی چھوڑیئے! ابھی پچھلے برس ہی ہم والد محترم حضرت مولانا محمد حیاتؒ کی وفات پر آنسو بہا رہے تھے کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ اور قاری سیف اللہ حافظ آبادی پر نالہ شیون کو ساتھ ملانا پڑا اور ابھی ان حضرات کے کفن میلے نہ ہونے پائے تھے کہ ہمیں ایک ایسے حادثہ سے دوچار ہونا پڑا جسے مؤرخین ۲۰۰۲ء کے حوادث میں سرفہرست شمار کریں گے۔ جس کی تلافی ملکی سطح پر ایک عرصہ تک اور جماعتی سطح پر شاید نہ ہو سکے۔

علامہ محمد مدنیؒ جن کے سانحہ ارتحال کی تفصیلات اخبارات وجرائد میں آ چکی ہیں جو کہ 18 فروری 2002ء کو طویل علالت کے بعد جناح ہسپتال لاہور میں تین بجے شام ﴿کل من علیھا فان﴾ اور ﴿کل نفس ذائقة الموت﴾ کے حکمِ ربانی اور قانونِ الٰہی کے مصداق بن کر نہ صرف اپنے عزیز واقارب بلکہ تمام اسلامی دنیا کو داغ مفارقت دیتے ہوئے اور داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کون گیا ہے؟ کیا ہوا ہے؟ کس قدر کمی واقع ہوئی ہے؟ پیش آمدہ حالات

اپنا عنوان خود بنا کر سامنے آتے رہیں گے۔

حضرت علامہ مرحوم جن خداداد صلاحیتوں، خوبیوں، عنایتوں اور اعلیٰ صفتوں کے مالک تھے۔ راقم کے قلم میں اتنی طاقت کہاں کہ وہ انہیں دائرۂ تحریر میں لا سکے۔ ان کی جدائی سے علم و عمل، زہد و تقویٰ، حکمت و دانش، فہم و فراست، ہمت و استقلال کا چراغ گل ہو گیا۔

موت ایک اٹل حقیقت ہے۔ جس سے کسی کو مفر نہیں۔ روزانہ ہزاروں انسان موت کی نیند سو جاتے ہیں۔ عمومی طور پر ہمیں موت کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ لیکن جب ہم میں سے کوئی نمایاں شخصیت اٹھ جاتی ہے تو ہم خصوصاً اس موت کو دل کی گہرائیوں سے محسوس کرتے ہیں اور پھر ان کی یادیں باقی رہ جاتی ہیں۔ علامہ مرحوم نے چند سالوں میں اپنی بے پناہ خداداد صلاحیتوں کے بل بوتے پر غیر معمولی سرعت سے عالمی دنیا میں اپنا مقام پیدا کر لیا۔ یہ حوصلہ افزاء صورت حال آپ کے روشن مستقبل کا پیش خیمہ تھی۔ جس کو ہر صاحبِ نظر نے محسوس کیا۔

ان میں علم کی گہرائی، معلومات کی وسعت، مطالعہ کی فراوانی، کلام کی روانی، بیان میں فصاحت، کلام میں ثقاہت، عبادت میں ریاضت، عمل میں استقامت، فقر میں قناعت، غنا میں سخاوت، انکا مشن اور اسلام کی تنفیذ و ترویج ان کا نصب العین تھا۔ قحط الرجال کے اس دور میں ایسے لوگوں کا وجود رحمت الٰہی ہوتا ہے۔ وہ ایک پاکباز نیک نفس اور صاف طبیعت انسان تھے۔ اپنے اسلاف کے تابندہ نقوش کا صحیح معنوں میں تحفظ ان کا مطمح نظر تھا۔ وہ آزمائش کے ہر مرحلہ میں ثابت قدم رہے۔ ان کا دامنِ حیات ان کے من کی طرح اجلا اور بے داغ تھا۔ الغرض علامہ صاحبؒ اس قحط الرجال کے دور میں ہمارے اندازے سے کہیں زیادہ عظمت کے حامل تھے۔ میں ان ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں ان کا حق نہیں بلکہ اپنا فرض ادا کر رہا ہوں۔ وہ تو جیتے جی بھی مدح و ثنا کے خوگر نہ تھے۔ اب تو ویسے بھی وہ ان تکلفات سے بہت دور جا چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام اور عزیز و اقارب کو صبر جمیل اور حافظ عبدالحمید عامر صاحب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

عجب کام سونپا ہے دستِ اُجل کو مشیّت نے
کہ چمن سے پھول توڑنا اور ویرانے میں رکھ دینا